Open Access
Al-Idrak
Research Journal
ISSN (Online): 2789-3227
ISSN (Print): 2789-3235
www.alidrakresearchjournal.com

روایت، جدت اور جدیدیت: فکر اسلامی کے تناظر میں

Tradition, Revitalization and Modernism: The Perspective of Islamic Thought

☆ **Dr. Ahmed Raza**

Assistant Professor, Islamic History and Culture Department, Allama Iqbal Open University Islamabad, Pakistan

Citation:

Raza, Dr. Ahmed " Tradition, Revitalization and Modernism: The Perspective of Islamic Thought."Al-Idrāk Research Journal, 3, no.2, Jul-Dec (2023): 183– 198.

ABSTRACT

The Holy Qur'an and the Sunnah of the Prophet ﷺ are the source of Islamic thought. The Holy Qur'an is the word of Allah Almighty, in which tradition is spoken in such a way that a historical continuity is seen in it. There is a mention of the innovation obtained through research and effort. It is also found in the verses of the Holy Qur'an in which wisdom and conquest are discussed. Western intellectuals talked about modernity and post-modernity, which means rationalism. That is, accepting everything on the basis of reason. If any concept, belief, theory, opinion and action does not come within the scope of reason, it should be rejected, whether it is related to faith or religion. In this paper, tradition, innovation and modernity have been described in the context of Islamic and Western thought.

Key Words: tradition, innovation, modernity, Islamic and Western thought

موضوع کا تعارف

قرآن مجید اور حدیث وسنت رسول ﷺ شریعت اسلام اور اسلامی فکر کا ماخذ، منبع اور محور ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں روایت (Tradition) کی بات اس طرح کی گئی ہے کہ اس میں ایک زمانی و تاریخی تسلسل نظر آتا ہے۔ مثلاً انبیائے کرام علیہم السلام اور قوموں کے تذکار میں روایت کا ذکر ملتا ہے اور یہی ذکر احادیث نبویہ ﷺ میں بھی موجود ہے۔ تحقیق واجتہاد کے ذریعے حاصل ہونے والی جدت (Innovation) کا ذکر بھی قرآن مجید کی ان آیات میں ملتا ہے جن میں حکمت اور تسخیر کی بات کی گئی ہے۔ نیز ان آیات میں بھی یہ ذکر پایا جاتا ہے جہاں اصلاحِ معاشرہ مقصود ہوتا ہے۔ یہ بات حدیث معاذ رضی اللہ عنہ و دیگر مقامات پر بھی پائی جاتی ہے۔ بیسویں صدی میں مغربی دانش وروں نے جدیدیت (Modernity)

اور مابعد جدیدت (Post Modernity) کی بات کی جس کا مدعا و مقصود عقل پرستی (Rationalism) ہے۔ یعنی ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر تسلیم کرنا۔ اگر کوئی تصور، عقیدہ، نظریہ، رائے اور عمل عقل کے دائرے میں نہ آئے تو اسے رد کر دیا جائے خواہ اس کا تعلق ایمانیات اور دین و مذہب سے ہی کیوں نہ ہو۔ مقالہ ہذا میں روایت ،جدت اور جدیدت کو فکر اسلامی اور مغربی فکر کے تناظر میں بیان کیا ہے تاکہ اہل علم و دانش پر مزید غور و فکر کی راہیں کشادہ ہوں۔

روایت

روایت جسے عربی لغت میں تقلید کا نام دیا گیا ہے اس کا معنیٰ و مفہوم ماننا، پیروی کرنا اور کسی کا قول محض اس حسن ظن پر مان لینا اور اس پر عمل کرنا کہ وہ دلیل کے موافق حق بتلائے گا اور اس سے دلیل و تحقیق کا مطالبہ نہ کرنا[1]۔ لیکن تقلید کا لفظ اس معنیٰ میں وہ مفہوم ادا کرنے سے قاصر ہے جسے اردو میں روایت اور انگریزی میں Tradition کہا گیا ہے۔ روایت کے مفہوم تک رسائی حاصل کرنے کے لیے تراث کا لفظ بھی قابل غور ہے جس کا انگریزی معنیٰ heritage ,legacy , tradition ہے۔ اسی طرح عرف کا لفظ بھی روایت کے مفہوم کی بڑی حد تک وضاحت کرتا ہے۔ عرف کا انگریزی معنیٰ custom, tradition, usage, convention, habit ہے۔ اردو لغت میں سرگزشت، حکایت، قصہ، کہانی، ذکر اذکار اور کوئی رسم، رواج، دستور یا قانون جو پہلے سے قائم ہو اسے بیان کرنا یا اسے قائم رکھنا روایت کہلاتا ہے۔ اصطلاح محدثین میں آنحضرت ﷺ کے کسی قول یا فعل کو یا آپ ﷺ کے زمانے کے کسی واقعے کو بیان کرنا خواہ وہ راوی نے خود سنا یا دیکھا ہو یا کسی دوسرے روای سے نقل کیا ہو روایت کہلاتا ہے[2]۔

انگریزی میں بھی روایت کا مفہوم اسی طرح بیان ہوا ہے:

Tradition: The transmission of customs or beliefs from generation to generation, or the fact of being passed on in this way.[3]

انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا میں ہے:

1۔ الجرجانی، علی بن محمد، **کتاب التعریفات** (قاہرہ: دار الفضیلۃ، 1440ھ)، 58۔

Al Jurjani, Ali Bin Muhammad, *Kitab altareefat*, (Qahiraḥ: Dār al-Fažīla, 1440 AH), 58.

2۔ السیوطی، جلال الدین، عبد الرحمٰن بن ابو بکر، **تدریب الروای** (بیروت: دار العلم، 1438ھ)، 1:42۔

Al-Suyūṭī, Jalāl al-Dīn Abdul Reḥman bin abū Bakar, *Tadrīb al-Rāwī* ‘(Beīrūt: Dār Al-Ilam, 1438 AH), 1 :42.

3 -https://www.merriam-webster.com/dictionary/tradition /accessed on 22.6.2023

Tradition: A way of thinking, behaving, or doing something that has been used by the people in a particular group, family, society, etc., for a long time.[1]

آسان الفاظ میں روایت کا مفہوم یہی ہے کہ کسی رسم ورواج، عقیدہ و نظریہ اور تہذیب وثقافت کو نسل نسل در نسل منتقل کرنا روایت (Tradition) کہلاتا ہے۔

تحقیق

تحقیق کا عربی زبان میں معنیٰ ومفہوم ہے: اثبات المسئلة بدليلها[2] یعنی کسی مسئلے کو دلیل کے ساتھ ثابت کرنا تحقیق کہلاتا ہے۔ انگریزی میں اس مفہوم ہے:

The systematic investigation into and study of materials and sources in order to establish facts and reach new conclusions OR careful study that is done to find and report new knowledge about something.[3]

عربی اورانگریزی تعریفات سے معلوم ہوا کہ تحقیق وہ عمل ہے جس کے ذریعے کسی مسئلہ پر غوروخوض کرکے دلائل کے ساتھ اسے ثابت کیا جاتا ہے اور ایک نئی چیز یا نیا علم یا نیا تصور اور نظریہ پیش کیا جاتا ہے۔

اجتہاد

اجتہاد کا عربی زبان میں معنیٰ ومفہوم ہے: بذل المجهود في طلب المقصود من جهة الاستدلال[4] یعنی کسی صاحب علم کا اپنی علم وحکمت کو بروئے کار لاکر استدلال کے ذریعے مقصود حاصل کرنا۔ اصطلاحِ شریعت میں قرآن وسنت اور اجماع کی روشنی میں مقررہ شرائط کے مطابق بطریقِ استنباط واستخراج، شرعی احکام اور قوانین کی تشکیل، تجدید، تفصیل، توسیع اور تنفیذ کے لئے ماہرانہ علمی کاوش کا نام اجتہاد ہے۔ ہماری دانست میں تحقیق واجتہاد کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اجتہاد بغیر تحقیق کے ہو نہیں سکتا۔ اسلامی معاشرہ کو پیش آمدہ نئے مسائل کا حل شریعت اسلامی کی روشنی میں دینے کے لیے تحقیق واجتہاد کا عمل سرانجام دیا جاتا ہے جس

1 -https://www.britannica.com/dictionary/tradition/ accessed on 25.6.2023

2۔ جرجانی، **کتاب التعریفات**، ص 65

Jurjani, Ali bin Muhammad, Kitab Al-Ta’rifaat, P 58

3 -https://www.britannica.com/dictionary/tradition

4۔ جرجانی، **کتاب التعریفات**، ص12

Jurjani, Ali bin Muhammad, Kitab Al-Ta’rifaat, P 12

سے نئے مسائل کا نیا حل پیش کیا جاتا ہے۔ یعنی دین کی عمومی تعلیمات کو سامنے رکھتے ہوئے غیر منصوص مسائل کو حل کرنے کا عمل تحقیق واجتہاد ہے۔

تجدید

تجدید کا مطلب پہلے سے موجود کسی چیز کو نئے اسلوب میں پیش کرنا ہے مثلاً کوئی معاہدہ پہلے سے موجود ہے اس میں جزوی ردوبدل معاہدے کے مجموعی ماحول کو ملحوظ رکھتے ہوئے کیا جاتا ہے لیکن بنیادی ڈھانچے کو برقرار رکھا جاتا ہے۔ کیونکہ اگر بنیادی ڈھانچہ ہی بدل دیا جائے تو اسے معاہدہ کی تجدید سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا بلکہ وہ نیا معاہدہ کہلاتا ہے۔ اسی طرح تجدید کا عمل فکر اسلامی میں یہ ہے کہ ماضی کے مسلمہ علمی اور فقہی اصولوں کو تسلیم کرتے ہوئے ان کے دائرے میں رہ کر مسائل واحکام کی زمانہ کی ضروریات کے تحت تعبیر وتشریح کی جاتی ہے۔

تجدد

اگر ماضی کی مسلمہ علمی روایات اور متفقہ فقہی اصولوں سے انحراف کرکے اور ان کا لحاظ رکھے بغیر دین کے احکام وقوانین کی نئی تعبیر وتشریح کی جائے تو اسے "تجدد" کہتے ہیں۔ اہل تجدد اپنے معاصر علماء کو اعتماد میں لیے بغیر اور ان کی نفی وتحقیر کرکے اس عمل کو آگے بڑھاتے ہیں۔ درج بالا اصطلاحات کو اختصار اور جامعیت کے ساتھ بیان کرنے کے بعد اب ہم روایت، جدت، اور جدیدیت کو فکر اسلامی کے تناظر میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

روایت: فکر اسلامی کے تناظر میں

قرآن مجید اور حدیث وسنت رسول ﷺ شریعت اسلام اور اسلامی فکر کا ماخذ، منبع اور محور ہیں۔ قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جس میں روایت (Tradition) کی بات اس طرح کی گئی ہے کہ اس میں ایک زمانی وتاریخی تسلسل نظر آتا ہے۔ مثلاً انبیائے کرام علیہم السلام اور قوموں کے تذکار میں روایت کا ذکر ملتا ہے اور یہی ذکر احادیث نبویہ ﷺ میں بھی موجود ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کی طرف وحی کے نزول کی روایت کا ذکر فرمایا ہے۔

متعدد آیات اس ضمن میں نازل ہوئی ہیں تاہم بطور حوالہ یہاں ایک آیت مبارکہ بیان کی جاتی ہے:

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّ النَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖۚ-وَ اَوْحَيْنَآ اِلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ عِيْسٰى وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْنُسَ وَ هٰرُوْنَ وَ سُلَيْمٰنَۚ- وَ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًاۚ-[1]

1۔ النسآء،4:163۔

Al-Nisā,4:163.

"بیشک اے حبیب ﷺ! ہم نے آپ طرف وحی بھیجی جیسے ہم نے نوح اور اس کے بعد نبیوں کی طرف بھیجی، اور ہم نے ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور ان کے بیٹوں، اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف وحی فرمائی اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی"۔

آیت مبارکہ کا مستفاد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی طرف اللہ تعالیٰ نے جس طرح وحی فرمائی اسی طرح آپ ﷺ سے پہلے انبیائے کرام کو بھی اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی تھی۔ یہ ایک تاریخی وزمانی تسلسل ہے جسے قرآن مجید بیان کر رہا ہے اور یہی روایت ہے جسے ایک تسلسل کے ساتھ جاری رکھا جاتا ہے۔

اجتہاد و جدت: فکر اسلامی کے تناظر میں

تحقیق واجتہاد کے ذریعے حاصل ہونے والی جدت (Innovation) کا ذکر بھی قرآن مجید کی ان آیات میں ملتا ہے جن میں حکمت اور تسخیر کی بات کی گئی ہے۔ نیز ان آیات میں بھی یہ ذکر پایا جاتا ہے جہاں اصلاحِ معاشرہ اور نئے مسائل کا حل مقصود ہوتا ہے۔ اجتہاد جسے فقہا نے قیاس کی ایک قسم شمار کیا ہے اس کی بابت اہل علم نے قرآن مجید کی درج ذیل آیت سے استدلال کیا ہے:

وَ اِذَا جَآءَہُمۡ اَمۡرٌ مِّنَ الۡاَمۡنِ اَوِ الۡخَوۡفِ اَذَاعُوۡا بِہٖ ؕ وَ لَوۡ رَدُّوۡہُ اِلَی الرَّسُوۡلِ وَ اِلٰۤی اُولِی الۡاَمۡرِ مِنۡہُمۡ لَعَلِمَہُ الَّذِیۡنَ یَسۡتَنۡۢبِطُوۡنَہٗ مِنۡہُمۡ ؕ وَ لَوۡ لَا فَضۡلُ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ وَ رَحۡمَتُہٗ لَاتَّبَعۡتُمُ الشَّیۡطٰنَ اِلَّا قَلِیۡلًا۔[1]

"اور جب ان کے پاس کوئی بات اطمینان یا خوف کی آتی ہے تو وہ اسے پھیلا دیتے ہیں اور اگر وہ اسے رسول ﷺ اور اپنے میں سے صاحبانِ امر کی طرف لوٹا دیتے تو ضرور ان میں سے وہ لوگ جو بات کا نتیجہ اخذ کرسکتے ہیں اس کو جان لیتے"۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ قیاس بھی حجت اور دلیل ہے۔ جب حالات زمانہ کے تغیر کی وجہ سے بعض نئے مسائل پیدا ہو جائیں اور نصوص میں ظاہری طور پر ان کا حل موجود نہ ہو تو عوام ان مسائل کے حل کے لیے اہل علم ودانش کی طرف رجوع کریں۔ اصحاب علم ودانش کی ذمہ داری ہے کہ اپنی علمی وسعت اور دانش وبینش

1۔ النسآء، 4:83۔

Al-Nisā,4:83.

کو بروئے کار لا کر اجتہاد کریں اور ان مسائل کا حل تجویز کریں۔ عوام کا فرض ہے کہ وہ ان حضرات کی تقلید و پیروی کریں اور شریعت مطہرہ پر عمل پیرا ہوں۔ تحقیق واجتہاد کے ذریعے حاصل ہونے والی جدت حدیث معاذ رضی اللہ عنہ و دیگر مقامات پر بھی پائی جاتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب یمن کا گورنر بنا کر بھیجنے کا ارادہ کیا تو آپ ﷺ نے ان سے پوچھا کہ جب تمہارے پاس کوئی مقدمہ آئے گا تو تم کیسے فیصلہ کرو گے؟ معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: اللہ کی کتاب کے موافق فیصلہ کروں گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر اللہ کی کتاب میں تم نہ پا سکو؟ تو معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: رسول اللہ ﷺ کی سنت کے موافق۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر سنت رسول اور کتاب اللہ دونوں میں نہ پاس کو تو کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور اس میں کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ تو رسول اللہ ﷺ نے معاذ رضی اللہ عنہ کا سینہ تھپتھپایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے اپنے رسول ﷺ کے قاصد کو اس چیز کی توفیق دی جو اللہ کے رسول کو راضی اور خوش کرتی ہے"۔[1]

یہ حدیث تحقیق واجتہاد کے اصولی منہج کی بنیاد ہے۔ حالات زمانہ کا تغیر اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ جب نئے مسائل سوسائٹی کو درپیش ہوں گے تو ان سے عہدہ برآ ہونے کا طریقہ کار کیا ہو گا؟ اس تقاضا کو خود رسول اللہ ﷺ نے ایک احسن انداز میں اپنے تربیت یافتہ صحابی سے مکالمہ کے ذریعے بیان کر دیا۔ جب مسائل اس طرح کے ہوں کہ ان کا جواب براہ راست نصوص سے دیا جا سکے تو نصوص سے جواب دیا جائے گا۔ لیکن جب مسائل کا جواب براہ راست نصوص سے نہ دیا جا سکے تو اہل علم و دانش دین کی مجموعی تعلیمات کو سامنے رکھ کر اجتہاد کر کے جواب دیں گے، اور یہی جدت ہو گی۔ یہ جدت عہد صحابہ سے لیکر اب تک مسلم فکر میں جاری ہے۔ 2020-2021 میں عالمی سطح پر کورونا وبا نے پوری دنیا کو بری طرح اپنی لپیٹ میں لیے رکھا۔ لاکھوں افراد لقمہ اجل بنے اور کروڑوں کی صحت متاثر ہوئی۔ لیکن اہل اسلام میں تحقیق وجتہاد کے ذریعے جدت کا عمل جاری رہا اور اجتماعی اسلامی عبادات SOPs کے ساتھ جاری رہیں۔

1۔ امام ابو داود، سلیمان بن الاشعث، السنن، كِتَاب الْأَقْضِيَةِ ، باب اجْتِهَادِ الرَّأْيِ فِي الْقَضَاءِ، حدیث نمبر 3592
Imama Abu Dawood, Al-Sunan, Hadith: 3592

نبی اکرم ﷺ کے بابرکت زمانہ میں کسی نئے درپیش مسئلہ اور صورت حال میں صحابہ کرام اجتہاد کرتے تھے اوراگر کسی مسئلہ میں ان کے درمیان اختلافِ رائے ہوجاتا تو ذات رسالت مآب علیہ التحیات والتسلیمات کی طرف رجوع کرتے۔جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام اس مسئلہ کی وضاحت فرمادیتے تو وہ اختلاف رفع ہوجاتااوررب العزت جل شانہ نے انہیں اسی کا حکم دیاتھا:

فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ[1]

"تمہارے مابین اگرکسی بات میں اختلاف ہوجائے تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف رجوع کرو"۔

صحابہ کرام کا سیدعالم نور مجسم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک دور میں مختلف معاملات میں اختلافِ رائے اوراجتہاد ہوا ہوالیکن آپ ﷺ نے کسی کی مذمت نہیں فرمائی بلکہ مسائل کی حقیقت اوران میں موجود فضیلت کومکمل وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے حضورانور ﷺ جب غزوہ خندق سے فارغ ہوچکے تو صحابہ سے فرمایا تم میں سے ہر شخص عصر کی نماز بنی قریظہ کے پاس پہنچ کر پڑھے۔اب نماز کا وقت راستے میں آپہنچا تو بعض حضرات نے کہا ہم توجب تک بنی قریظہ کے پاس نہ پہنچ لیں گے عصر کی نماز نہیں پڑھیں گے۔اور بعض نے کہاہم نماز پڑھ لیتے ہیں کیونکہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کا یہ مطلب نہ تھا کہ ہم نماز قضا کریں۔پھر بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں اس واقعہ کاذکر کیاگیاتو رسول اللہ ﷺ نے کسی پر ملامت نہیں کی۔[2]

سب سے پہلا اجماعی اجتہاد جوعہد صحابہ میں رونماہوا وہ خاتم الانبیاﷺ کے دنیاسے پردہ فرمانے کے فوراًبعد اسلامی ریاست کے حکمران کے تقرر کے سلسلہ میں تھا۔سقیفہ بنوساعدہ میں انصارومہاجر صحابہ جمع ہوئے اوریہ بات ہوئی کہ اسلامی ریاست کا سربراہ انصار میں سے ہوگا کیونکہ نبی کریم ﷺ نے اپنا جانشین مقرر نہیں کیاتھااور نہ ہی کوئی وصیت فرمائی تھی۔انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں سیدنا سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس جمع ہوگئے اور کہنے لگے کہ ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم (مہاجرین) میں سے ہوگا۔پھر حضرات

1۔النسآء،4:58۔

Al-Nisā,4:58.

2۔امام بخاری،الجامع الصحیح،کِتَاب صَلَاةِ الْخَوْفِ. بَابُ صَلَاةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ رَاكِبًا وَإِيمَاءً، حدیث نمبر946

Imam Bukhari, Al-jami Al-Sahih, Hadith: 946

ابو بکر، عمر بن خطاب اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم بھی وہاں پہنچ گئے۔ طویل مکالمہ کے بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت مہاجرین وانصار صحابہ متفق ہو گئے۔[1]

حضرت ابو بکر صدیقؓ کو خلافت کی ذمہ داری سنبھالنے کے بعد متعدد مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا پڑا جن میں سے ایک مشکل ترین مسئلہ منکرینِ زکوٰۃ کا تھا۔ جب حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اپنے اجتہاد سے منکرین زکوۃ کے خلاف جہاد کا ارادہ کیا تو حضرت عمرؓ نے اس معاملہ میں اختلاف رائے کیا۔ حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ زکوٰۃ کی وصولی کا صرف نبی کریم ﷺ کو ااختیار تھا۔ لیکن جب خلیفۃ الرسول ابو بکر صدیقؓ نے ان پر زکوٰۃ کی اہمیت واضح فرمائی تو اختلاف رفع ہو گیا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا: "اللہ کی قسم میں نے اچھی طرح جان لیا کہ جنگ کے معاملہ میں ابو بکر رضی اللہ عنہ کو پورے طور پر شرحِ صدر رہے اسی لیے وہ اتنے مستحکم اور فیصلہ کن انداز میں بات کر رہے ہیں۔ پس مجھے یقین آ گیا کہ وہ حق پر ہیں"۔[2]

اسلامی فتوحات کا سلسلہ جب تیزی سے بڑھنے لگا اور صحابہؓ کرام تبلیغِ اسلام کی غرض سے مختلف خطوں تشریف لے گئے تو ہر صحابی اپنے علاقہ کے مقتدی اور امام ہو گئے۔ وہ حضور اکرم ﷺ کے ارشادات و فرامین اور آپ ﷺ کی سنت کی روشنی میں مسائل حل کرتے۔ اگر کسی مسئلہ میں کوئی نص شرعی یا عہدِ نبوت کا کوئی نمونہ اپنے ہاں نہ پاتے تو کتاب و سنت کی روشنی میں اجتہاد کرتے۔ اس لحاظ سے مختلف علاقوں میں مختلف فقہی مذاہب ظہور پذیر ہوئے۔ پھر ان سب میں ائمہ اربعہ کے فقہی مذاہب کو دوام وبقاء حاصل ہوا۔ آئمہ مجتہدین کے درمیان اجتہادی مسائل میں اختلافِ رائے کے باوجود باہمی محبت و احترام کا رشتہ کبھی ختم نہیں ہوا اور نہ کبھی اس وجہ سے ان کے آپس کے تعلقات منقطع ہوئے بلکہ ہمیشہ ان حضرات نے ایک دوسرے کا لحاظ رکھا اور ایک دوسرے کے ساتھ اکرام و احترام کا معاملہ کیا۔ شاہ ولی اللہ دہلوی نے لکھا ہے: "تابعین نے صحابہ پر بھروسہ کیا، جہاں نبی کریم ﷺ کی توضیح اور تشریح نہ ملی تو صحابہ سے رجوع کیا اور ان کی تشریحات پر اپنے عمل کیا۔ تبع تابعین کا دور

1۔ امام بخاری، الجامع الصحیح ,کِتَاب صَلاَةِ الْخَوْفِ ,بَابُ صَلاَةِ الطَّالِبِ وَالْمَطْلُوبِ رَاكِبًا وَإِيمَاءً، حدیث نمبر 946

Imam, Bukhari, Al-Jami Al-Sahih, Hadithg: 946

2۔ امام نسائی، احمد بن شعیب، السنن, کتاب الجهاد, باب وجوب الجهاد، حدیث نمبر 3095

Imam Nasa'I, Al-Sunan, Hadith : 3095

آیا تو انہوں نے تابعین پر اعتماد کیا اور ان سے رہنمائی حاصل کی اور اسی طرح یہ سلسلہ چلتا رہا۔ ہر دور کے علماء نے متقدمین کا حوالہ دیا اور ان کی آراء اور فتاوی کو معتمد جانا۔ چنانچہ ہر دور کے علماء کے لئے ضروری ہے کہ وہ اپنے سے پہلے علماء کی آراء اور فتاویٰ پر اپنے قول کی بنیاد رکھیں"۔[1]

جدیدیت اور مابعد جدیدیت

جدیدیت (Modernity) اور مابعد جدیدیت (Post Modernity) بیسویں صدی کی بات تھی۔ اکیسویں صدی میں گلوبلائزیشن کی بات ہو رہی ہے۔ جدیدت اور مابعد جدیدت مغربی مفکرین کی دی ہوئی اصطلاحات ہیں جن کا مدعا و مقصود عقل پرستی (Rationalism) ہے۔ یعنی ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر تسلیم کرنا۔ اگر کوئی تصور، عقیدہ، نظریہ، رائے اور عمل عقل کے دائرے میں نہ آئے تو اسے رد کر دیا جائے خواہ اس کا تعلق ایمانیات اور دین و مذہب سے ہی کیوں نہ ہو۔ مغربی دنش وروں نے اپنی قوم کو جس جدیدت میں مبتلا کیا اس کے چند اہم محرکات ہیں جن پر ایک گہری نظر ڈالنا انتہائی اہم ہے۔

پاپائیت اور بادشاہت

یورپ اپنی نشاۃ ثانیہ سے پہلے پاپائیت اور بادشاہی نظام کے ظلم واستبداد کا شکار تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمانوں پر زندہ اٹھائے جانے کے بعد تین سو سال تک ان کے پیروکار سخت ظلم و ستم کا شکار رہے۔ چوتھی صدی عیسوی میں روم کے بادشاہ قسطنطین اعظم (**Constantine the Great**)[2] کے عیسائیت قبول کرنے کے بعد عیسائیت کو سرکاری مذہب کی حیثیت حاصل ہوئی۔ لیکن ملکی قوانین کو مذہب کے تابع کرنے کے مرحلے پر یہ مسئلہ درپیش ہوا کہ چونکہ بائبل میں ریاست و حکومت اور معاشرتی قوانین کے حوالے سے کوئی جامع تعلیمات نہیں ہیں اس لیے کلیسا کو قانون سازی کا اختیار دے دیا گیا۔

کلیسا کا نظام چونکہ پوپ کے سپرد تھا اور پوپ کو معاشرہ میں احترام کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اس لیے اسے معصوم عن الخطا قرار دے دیا گیا تا کہ وہ جو قانون وضع کرے یا حکومت کی کسی معاملہ میں رہنمائی کرے وہ خطا سے پاک ہو

1۔ شاہ ولی اللہ، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، مترجم: ڈاکٹر محمد میاں صدیقی، شریعہ اکیڈمی، اسلام آباد، 2015ء، ص 75-76
Shah Waliullah, Eqdul jeed, Shariah Academy, Islamabad, 2015, P 75-76

[2] -Michael Tierney, Constantine the Great and His City, An Irish Quarterly Review, Vol. 23, No. 89, March, 1934 ,59-70, accessed on Jstore: 21-07-2023

۔اس اختیار کا نتیجہ یہ نکلا کہ رومی سلطنت کے کلیسا کو بادشاہوں پر بھی برتری حاصل ہو گئی جس کی وجہ سے پادریوں اور بادشاہوں میں شدید مخالفتیں پیدا ہو گئیں۔کلیسا نے تمام اخلاقی حدیں پار کر لیں، اس نے بعض بادشاہوں کو معزول کر دیا اور کچھ لوگوں کو حق کی آواز بلند کرنے پر زندہ جلادیا[1]۔حد تو یہ ہو گئی کہ کلیسا نے زندہ اور مردہ لوگوں کے لیے مغفرت نامے بھی فروخت کیے۔[2]

مارٹن لوتھر کی تحریک اصلاح مذہب

کلیسا اور بادشاہوں کی چپقلش، کش مکش، بداعمالیوں اور ظلم و ستم کے ردعمل کے طور پر سولھویں صدی میں مارٹن لوتھر (م ۱۵۴۶ء) کی تحریک اصلاحِ مذہب(**Reformation**) شروع ہوئی جس نے رومن کیتھولک کلیسا کی حاکمیت کو دو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا یعنی کیتھولک چرچ اور پروٹسٹنٹ چرچ۔لوتھر کی تحریک مذہبی پاپائیت کے ظلم و ستم اور بداعمالیوں کے خلاف تھی۔اس نے کھل کر اس وقت کے کلیسائی نظام کی مخالفت کی[3]۔مارٹن لوتھر کی تحریک یورپ کی نشاۃ ثانیہ یعنی فکری آزادی اور احیائے علوم کی ایک اہم وجہ بنی۔لیکن اس تحریک کا ایک بہت بڑا نقصان آگے جا کر یہ ہوا کہ عیسائیت کا منظم مذہب دو حصوں میں تقسیم ہو گیا۔ مذہب اور سیاست کو جدا جدا کر دیا گیا۔مذہب کو اجتماعی کے بجائے نجی معاملہ قرار دیا گیا۔جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آج پوری دنیا میں عیسائیت کے پیروکار فرد کی آزادی کو پہلی ترجیح دیتے ہیں اور مذہب کو آخری۔

یورپ کی مذہبی و سیاسی جنگیں

سولہویں صدی عیسویں میں یورپی ممالک مذہبی اور سیاسی جنگوں میں ایک دوسرے سے برسرپیکار تھے۔۱۵۶۸ء تا ۱۶۴۸ء اسی (۸۰) سال کے طویل عرصہ گذر جانے کے باوجود ہالینڈ کے کچھ علاقوں پر اسپین کے بادشاہ نے قبضہ کیا ہوا تھا اور وہ اپنی آزادی کے لیے جنگ لڑ رہے تھے۔اسپین اور فرانس کے درمیان بھی جنگ تھی۔۱۵۶۸ء تا

---

1 -R. R. Betts, JAN HUS History, NEW SERIES, Vol. 24, No. 94 (SEPTEMBER, 1939) Published by: Wiley ,97-112،, accessed on jstor : 24-07-2023

2 -Steven Pfaff and Katie E. Corcoran, Piety, Power, and the Purse: Religious Economies Theory and Urban Reform in the Holy Roman Empire, Journal for the Scientific Study of Religion, Vol. 51, No. 4 (DECEMBER 2012) Published by: Wiley on behalf of Society for the Scientific Study of Religion,757 -776, accessed on jstor : 24-07-2023

3 - C Scott Dixon, Martin Luther and the Reformation in Historical Thought, 1517-2017,Studies: An Irish Quarterly Review, vol 106, No. 424, P. 404-416, Accessed on jstor : 27-07-2023

۱۶۴۸ء تک یورپی ممالک اپنی مقدس رومن سلطنت میں عیسائیوں کے کیتھولک اور پروٹسٹنٹ فرقوں کے مابین لڑی جانے والی مذہبی جنگ میں بھی مبتلا تھے۔ زیادہ تر جنگ یورپی ملک جرمنی میں لڑی گئی۔ اس جنگ میں برِاعظم یورپ کے کئی طاقتور ممالک نے حصہ لیا۔ مسیحی فرقوں پروٹسٹنٹ اور کیتھولک کے اختلافات اس جنگ کا سب سے بڑا محرک تھے۔ اس جنگ کی تباہ کاریاں پورے یورپ کے طول و عرض پر بھوک، غربت، بیماری، افلاس، قانون شکنی اور ایسی ہی متعدد تکلیفوں کا باعث بنی تھیں۔[1]

ویسٹ فیلیا امن معاہدہ

مذہبی و سیاسی جنگوں کی صورت حال کو دیکھ کر یورپ کے اکابرین نے بالآخر یہ فیصلہ کیا کہ ایک امن کانفرنس بلائی جائے جس میں یورپ کی تمام طاقتوں کی نمائندگی ہو اور تمام مذہبی و سیاسی جنگوں کا حل تلاش کیا جائے۔ ۱۶۴۳ تا ۱۶۴۸ء کے درمیان جنگ سے متاثر ممالک اور ریاستوں کے ۱۰۹ نمائندوں نے اس کانفرنس میں حصہ لیا۔ پانچ سالہ طویل مذاکرات کے بعد ایک امن معاہدہ ویسٹ فیلیا[2] کے مقام پر تشکیل پا گیا اور جنگیں ختم ہو گئیں۔

اس معاہدہ کی رو سے ریاستوں کو اپنا مذہب آزادانہ طور پر اختیار کرنے کی اجازت دی گئی۔ مذہب کو نجی معاملہ قرار دیا گیا۔ اس سے پہلے بادشاہ اپنے اپنے دائرہ میں صرف اپنا مذہب جائز رکھتے تھے جس کی وجہ سے وہ علاقہ کیتھولک ہوتا تھا یا پروٹسٹنٹ۔ معاہد کے بعد یہ حق آزاد ریاستوں کو دے دیا گیا کہ وہ جو بھی مذہب ختیار کرنا چاہیں کر سکتی ہیں۔ وہ مسیحی جو دوسرے مذہب کی ریاست میں رہتے تھے ان کو مخصوص اوقات میں چرچ کے اندر عبادت کی اجازت دی گئی، جو پہلے نہیں تھی[3]۔

ریاستوں کو خود مختاری دی گئی اور عالمی تجارت اور نقل و حمل پر عائد بعض پابندیاں اٹھالی گئیں۔ اس معاہدہ کو موجودہ یورپی یونین کا ایک ابتدائی خاکہ بھی کہا جا سکتا ہے[4]۔ تمام ممالک کا برابری کی سطح پر ہونا، مذہب سے آزادی

---

[1]-Rayan Strasser, The Thirty Years War ,A Summary, www.reserchgate.net.publication ,accessed on : 30-07-2023

[2]- Osnabrück and Münster, Westphalia, Germany.

[3] -Osiander Andreas, Sovereignty International Relations, and the Westphalian Myth,International Organization. 55 (2): 251–287, accessed on Jstor on 30.07.20203

[4] -Peter H. Wilson, The Causes of the Thirty Years War 1618-48, The English Historical Review, Vol. 123, No. 502 (Jun., 2008), Published by Oxford University Press, 554-586, accessed on Jstore :31-07-2023.

، تجارت کے لیے آزادی اور تمام یورپی ممالک کامل کر معاہدہ کرنا ایک ایسی چیز تھی جو اس کے بعد ہمیشہ یورپی اکابرین کے مد نظر رہی۔ انہی امور اور اصولوں پر آج کے یورپ کی بنیاد ہے۔
عیسائی کلیسا کے دو ٹکڑوں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ میں تقسیم ہونے، یورپ میں مسلمانوں کے معاشرتی، طبی وسائنسی علوم وفنون کی اشاعت کی وجہ سے علمی ترقی یعنی احیائے علوم سے نشاۃِ ثانیہ کے آغاز اور تیس سالہ مذہبی جنگوں کے اختتام پر ویسٹ فیلیا معاہدہ کے بعد یورپ میں نئے سیاسی نظریات نے جنم لیا جن کا مختصر تعارف خاص اہمیت کا حامل ہے۔

لبرل ازم

عیسائیت کے فرقوں کے وجود میں آنے اور سائنسی علوم فنون میں آگے بڑھنے کے بعد عقلیت پسندی کا نیا دور شروع ہوا۔ اس دور میں یہ تصور پروان چڑھا کہ ہر شخص اپنی فکر اور عمل میں آزاد ہے۔ اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ جس طرح چاہے سوچے، سمجھے، کوئی عقیدہ رکھے نہ رکھے، کسی چیز کو مانے نہ مانے اور اپنی انفرادی زندگی میں جو چاہے کرے وہ آزاد ہے۔ اس تصور کو لبرل ازم کہا جاتا ہے۔ اس فکر کا نتیجہ یہ نکلا کہ اہل مغرب نے اپنی اجتماعی زندگی سے مذہب کو نکال باہر کیا اور اسے ایک نجی معاملہ قرار دے دیا۔ اس سوچ کی اثر انگیزی آج کے زمانے میں منکرین خدا (atheist) کی صورت میں جلوہ فگن ہو چکی ہے۔

سیکولر ازم

والٹائر[1] اٹھارویں صدی کا فرانسیسی مفکر گذرا ہے۔ اس کے دو نظریے بہت مشہور ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ تمام آسمانی مذاہب تحریف شدہ ہیں اور اصل مذہب انسان کا فطری (Natural Religion) ہوتا ہے۔ یعنی انسان اپنی پیدائش کے بعد اگر خدا کے وجود کو تسلیم کرنا چاہے تو کر لے اور اگر نہ کرنا چاہے تو نہ کرے، یہ انسان کا اختیار ہے۔ اسی کو فطری مذہب کہتے ہیں۔ والٹائر کا دوسرا نظریہ تھا کہ مذہب انسان کا ذاتی معاملہ ہے، کوئی قوت اسے کسی مذہب کی حقانیت یا بطلان پر قائل نہیں کر سکتی۔ چونکہ مذہب انسان کی ذاتی تسکین کا ذریعہ ہے اس

---

[1] ۔ فرانسوئس-میری ڈی آروٹ (François-Marie d'Arouet Voltaire 1694–1778)، جو اپنے قلمی نام والٹائر کے نام سے مشہور ہے، ایک فرانسیسی مصنف اور عوامی کارکن تھا جس نے اٹھارویں صدی کی تحریک کو روشن خیالی سے تعبیر کرنے میں واحد کردار ادا کیا۔

لیے اسے یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ جو بھی مذہب اختیار کرنا چاہے کر لے لیکن مذہب میں حق اور باطل کا سوال نہیں ہے۔ یعنی نہ ہی کوئی مذہب حق پر ہے اور نہ کوئی مذہب باطل پر، بلکہ مذہب چونکہ انسان کی ذاتی تسکین کا سبب ہے اس لیے انسانی تسکین کا احترام ضروری ہے۔

وولٹائر کے دوسرے نظریے نے مغربی معاشروں پر تباہ کن اثرات مرتب کیے۔ ان کے نظامِ ایمان، نظام معاشرت اور نظام سیاست کو چنگیزیت میں تبدیل کر دیا۔ مذہب کو ذاتی معاملہ اور ذاتی تسکین کا ذریعہ قرار دینے سے ان کے ہاں یہ تصور پیدا ہو گیا کہ مذہب کا ریاست، سیاست اور حکومت سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ریاست، سیاست اور حکومت سے مذہب کو نکال باہر کیا۔ اس نظریے نے سیکولرازم کو جنم دیا یعنی ایسا دنیاوی نظام جو دنیاوی مفادات کے لیے بنایا گیا ہو اور اس میں مذہب کا کوئی عمل دخل نہ ہو۔ چناچہ جب سیکولزم کو ریاست سے جوڑا گیا تو اس کا مطلب یہ نکلا کہ ریاست کا مذہب سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ ریاست صرف دنیاوی مفادات کے حصول کے لیے ہوتی ہے اور مذہب کو ریاست میں عمل دخل کی اجازت نہیں ہے۔ عہد حاضر میں ایسی ریاست کو سیکولر اسٹیٹ (Secular State) کہتے ہیں۔

جمہوریت

وولٹائر کے سیکولرازم اور سیکولر اسٹیٹ کے فکر و فلسفہ کے پنپنے کے بعد فرانس کے مونٹیسکو[1] کے تفریقِ اختیارات (Separation of Power) کے نظریے نے جنم لیا۔ اس نے مطلق العنان بادشاہتوں کے خاتمے اور عوامی حکومتوں کے قیام کی بات کی۔ اس نے شخصِ واحد یا ایک ادارے کے مطلق اختیار کی بجائے اختیارات کی تین درجوں میں تقسیم کی بات کی۔ اس نے کہا کہ ریاست کے تین آزاد اور خود مختار ادارے ہونے چاہییں۔ کوئی ادارہ دوسرے ادارے کے دباؤ میں نہ ہو۔ اس کے نزدیک یہ تین ادارے درج ذیل تھے:

مقننہ: ریاست کی قانون سازی کا ادارہ یعنی پارلیمنٹ۔

انتظامیہ: ریاست کے انتظامی امور چلانے کا ادارہ یعنی حکومت۔

عدلیہ: قانون کی تشریح کرنے اور تنازعات کا تصفیہ کرنے کا ادارہ یعنی عدالت۔

---

[1]۔ مونٹیسکو (Montesquieu 1689-1755) روشن خیالی کے سیاسی فلسفیوں میں سے ایک تھا۔

مونٹیسکو کے پیش کردہ تفریق اختیارات کے فلسفہ کو آنے والی جمہوریتوں نے قبول کیا اور آج اکیسویں صدی کے دوسرے عشرے میں بھی یہ نظام جمہوری حکومتوں میں جاری ہے۔ وولٹائر اور مونٹیسکو کے بعد فرانسیسی مفکر روسو[1] نے فرد کی آزادی اور عوام کی حکومت کا نعرہ بلند کیا۔ ان تینوں فرانسیسی مفکرین کے نظریات نے مل کر جمہوری نظام کی بنیاد ڈالی اور یہی نظام آج پوری دنیا پر غالب ہے۔ جمہوریت کے قیام میں دو عالمی واقعات نے بنیادی کردار ادا کیا جن میں سے ایک امریکہ کی آزادی اور دوسرا انقلاب فرانس کا واقعہ ہے۔[2]

ریاست اور مذہب کی تفریق، اختیارات کی تفریق اور فرد کی آزادی یہ تین بنیادی نکات ہیں جن پر لبرل اور سیکولر جمہوریت کا نظام دنیا میں رائج ہوا۔ اس نظام کی کارفرمائی کا سبب امریکہ کی آزادی اور انقلاب فرانس ہے۔ ان واقعات کے اور ان کے نتیجے میں قائم ہونے والی جمہوریت، ماڈرن اور پوسٹ ماڈرن ازم کے مغربی فلسفے کو با آسانی سمجھا جاسکتا ہے۔

اٹھارویں صدی میں تحریک تنویر (Enlightenment) اور تحریک رومانویت (Romanticism) نے عیسائیت کی مذہبی حیثیت کو شکست سے دوچار کیا۔ یہ تحریکیں موجودہ مغربی تہذیب کی روح رواں ہیں اور وحی کا انکار کرتی ہیں۔ مارٹن لوتھر کے پروٹسٹنٹ ازم (Protestantism) نے اس انکار کا اولین جواز فراہم کیا تھا۔ اس نے عقلِ انسانی کو وحی کی تعبیر و تشریح کا واحد ذریعہ قرار دے کر اور اجماع کی حجیت کو رد کر کے انکارِ وحی کی تحریکوں کے لیے زمین ہموار کی تھی۔ وحی کے انکار سے مراد یہ ہے کہ عقل استقرائی اور عقل استخراجی کو استعمال کر کے حقیقت تک رسائی ہوسکتی ہے۔ عقل، وحی اور روحانی علم کے بغیر ان سوالات کا جواب دے سکتی ہے کہ انسان کیا ہے؟ انسان کی کائنات میں حیثیت کیا ہے؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات کے مطابق ان سوالات کا جواب وحی کے بغیر نہیں دیا جاسکتا، اور اسلام بھی یہی کہتا ہے۔ بہرحال مغربی دانش وروں کے نزدیک بنیادی ذریعہ علم وحی کی بجائے عقل ہے۔ عقل پر ہی ان کی موجودہ سماجی، سیاسی اور اقتصادی عمارت قائم ہے۔ اسی

---

[1]۔ جان-جیکس روسو (Jean-Jacques Rousseau 1712 –1778) ایک فلسفی awr مصنف تھا۔ اس کے سیاسی فلسفے نے روشن خیالی کی پوری یورپ میں ترقی کے ساتھ ساتھ فرانسیسی انقلاب کے پہلوؤں اور جدید سیاسی، معاشی اور تعلیمی فکر کی نشو و نما کو متاثر کیا۔

[2] Rude, George, The French Revolution: Its Causes, Its History and Its Legacy After 200 Years,(Uk: Grove Press,1988).234, ISBN 978-0-8021-3272-7.

لیے انہوں نے مذہبی تعلیمات سے کافی حد تک کنارہ کشی کرلی ہے۔ عقل پسندی پر مبنی تہذیب وثقافت اور من پسند لائف سٹائل اختیار کرلیا ہے۔

خلاصہ بحث

مسلم امہ روایت، تحقیق، اجتہاد، جدت اور تجدید واصلاح کی چودہ سو سال سے تائید وحمایت کررہی ہے اوراس کی ٹھوس وناقابل تردید دلیلیں بھی موجود ہیں۔ لیکن عقل پرستی (Rationalism) کی بنیاد پر پیش کی جانے والی جدیدیت (Modernity) اور مابعد جدیدیت (Post Modernity) کی قائل اورحامی نہیں ہے، بالخصوص اعتقادی ونظریاتی معاملات میں۔ موجودہ دور میں روایت کی مخالفت اورجدیدیت کے حق میں بہت کچھ لکھااور کہاجارہاہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ روایت، تحقیق، اجتہاد، جدت اور جدیدیت کے صحیح مفہوم سے آشناہونے کے لیے فکر اسلامی اور مسلم مفکرین کے افکار کا گہرائی وگیرائی سے مطالعہ کیاجائے تاکہ مسئلہ کی حقیقت واضح ہواوراسلام کی شان دار روایت، تحقیق، اجتہاد، جدت اور جدیدیت پوری عالم انسانیت عیاں ہوجائے۔

نتائج وسفارشات

1. اسلامی فکر کا منبع قرآن مجید اور حدیث وسنت رسول ﷺ ہے اوراس میں روایت، جدت اور جدیدیت کی تعلیمات موجود ہیں۔
2. تحقیق واجتہاد کے ذریعے حاصل ہونے والی جدت (Innovation) کا ذکر قرآن وسنت کی ان نصوص میں موجود ہے۔
3. بیسویں صدی میں مغربی دانش وروں نے جدیدیت (Modernity) اور مابعد جدیدیت (Post Modernity) کی بات کی جس کا مدعاو مقصود عقل پرستی (Rationalism) ہے۔ یعنی ہر چیز کو عقل کی کسوٹی پر پرکھ کر تسلیم کرنا۔
4. اگر کوئی تصور، عقیدہ، نظریہ، رائے اور عمل عقل کے دائرے میں نہ آئے تواسے رد کردیاجائے خواہ اس کا تعلق وحی اور دین ومذہب سے ہی کیوں نہ ہو۔

5. اہل مغرب کی عقل پرستی (Rationalism) جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی بنیاد ہے جس کے مطابق دین و مذہب فرد کا نجی معاملہ ہے۔
6. اہل مغرب کے ہاں وحی کا انکار عقل پرستی (Rationalism) کی بنیاد پر کیا جاتا ہے کیونکہ وحی کا تعلق عقل سے نہیں ہے۔
7. فکر اسلامی ہر اس نظریہ کو رد کرتی ہے جس کی بنیاد وحی پر نہ ہو۔ عقل وحی کے تابع ہے اور وحی کی رہنمائی کی محتاج ہے۔
8. مسلم مفکرین کو جدیدیت اور مابعد جدیدیت کی حقیقت سے پردہ اٹھانا چاہیے اور انکار مذہب کے حامیوں کو علمی دلائل سے جواب دینا چاہیے تاکہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ذریعے مخلوق خدا کی اصلاح ہو سکے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆